93208 ـ غير شرعی قوانين كو استعمال كرتے ہوئے خاوند كو شادی نہ كرنے دينا

سوال

ايك باپرد مسلمان عورت كو خاوند نے طلاق كے الفاظ بول كر طلاق دے دی يہ عورت سويسرا ميں رہتی ہے، اس طلاق كے فورا بعد يہ عورت سويسری عدالت ميں گئی اور خاوند سے عليحدگی طلب كر لی جس كی بنا پر خاوند كی آدھی سے زيادہ ماہانہ تنخواہ عورت كو ديے جانے كا فيصلہ ہوا.
يہ علم ميں رہے كہ يہ عورت ملازمت نہيں كرتی بلكہ اپنی چار برس كی بيٹی كی ديكھ بھال اور پرورش كر رہی ہے، يہاں سويسری قانون كے مطابق يہ عدالتی فيصلہ طلاق نہيں، بلكہ طلاق تو خاوند اور بيوی كی رضامندی سے ہوتی ہے، يا پھر عليحدگی كی تاريخ سے دو برس پورے ہونے كی صورت ميں طلاق ہوگی.
اب عليحدگی كو ايك برس سے زائد ہو چكا ہے اور يہ عورت اپنے حق سے زائد حاصل كر رہی ہے، اور اب تك طلاق پر رضامند ہونے سے بھی انكار كرتی ہے تا كہ اس طرح وہ اپنے خاوند كو كسی اور عورت سے شادی كرنے سے روكے ركھے، سوال يہ ہے كہ:
ـ كيا اس بنا پر كہ ملكی قوانين كے مطابق فيصلہ كرانا ضروری ہے جہاں ہم رہتے ہيں اور شرعی عدالت ميں نہ جانا صحيح ہے ؟
يہ علم ميں رہے كہ بچی كا خرچ تو اس كے والد كے ذمہ ہے تو كيا اس عورت كی عدت گزرنے كے بعد ايك برس سے بھی زائد ہو چكا ہے كے بعد بھی عورت كے اخراجات اور اس كی رہائش سابقہ خاوند كے ذمہ ہے، اور ان اخراجات كا وجوب كب ختم ہوتا ہے ؟
ـ اس عورت كا حكم كيا ہے جو خاوند كو دوسری شادی سے روكنے كے ليے سويسری قوانين كو استعمال كرے حالانكہ اسے ايك برس قبل طلاق بھی دے چكا ہے ؟

پسنديدہ جواب

الحمد للہ.

غير شرعی قوانين سے فيصلے كرانا جائز نہيں كيونكہ اللہ سبحانہ و تعالی كا فرمان ہے:

تيرے پروردگار كی قسم ہے يہ اس وقت تك مومن ہی نہيں ہو سكتے جب تك آپ كو اپنے سب اختلافات ميں حاكم نہ مان ليں، اور پھر آپ جو فيصلہ كر ديں اس كے متعلق اپنے دلوں ميں كوئی تنگی محسوس نہ كريں، اور اسے بالكل

تسليم نہ كر ليں النساء (65).

ابن كثير رحمہ اللہ كہتے ہيں:

" اللہ سبحانہ و تعالى نے اپنے عزت والے مقدس نفس كى قسم اٹھائى ہے كہ يہ لوگ اس وقت تك مومن ہى نہيں ہو سكتے جب تك محمد صلى اللہ عليہ وسلم كو اپنے سب امور ميں فيصلہ كرنے والا تسليم نہ كر ليں، اور جو نبى كريم صلى اللہ عليہ وسلم فيصلہ كر ديں وہ حق ہے اسے تسليم كرنا اور اس كے سامنے ظاہرى اور باطنى طور پر سرتسليم خم كرنا واجب ہے اسى ليے اللہ سبحانہ و تعالى نے فرمايا ہے:

پھر آپ ان ميں جو فيصلہ كر ديں اسے پورى طرح تسليم كر ليں اور اپنے دلوں ميں كوئى تنگى محسوس نہ كريں .

يعنى: جب آپ فيصلہ كريں تو وہ اپنے اندر اور باطن ميں بھى اس كى اطاعت كريں اور اپنے دلوں ميں آپ كے فيصلہ سے كسى بھى قسم كى تنگى محسوس نہ كريں، اور ظاہر ميں بھى اس كى اطاعت كريں، اور باطن ميں اسے مكمل طور پر غير كسى تنگى كے تسليم كريں، نہ تو اس كى مخالفت ہو اور نہ ہى مدافعت.

جيسا كہ حديث ميں وارد ہے:

" اس ذات كى قسم جس كے قبضہ ميں ميرى جان ہے تم ميں اس وقت تك كوئى مومن ہى نہيں ہو سكتا جب تك اس كى خواہش اس كے تابع نہ ہو جائے جو ميں لايا ہوں " انتہى

ديكھيں: تفسير ابن كثير (1 / 532).

اور شيخ ابن عثيمين رحمہ اللہ كہتے ہيں:

" اس قسم كى " لا " كے ساتھ تاكيد ہے، اور اللہ كى ربوبيت كى اپنے بندوں كے ليے خاص قسم ہے - جو كہ اللہ كے رسول كے ليے اللہ كى ربوبيت ہے - اس پر قسم ہے كہ جو شخص ان امور پر قائم نہيں اس ميں ايمان ہى نہيں ہے:

اول:

رسول كريم صلى اللہ عليہ وسلم كو اپنا فيصل و حاكم تسليم كرنا كيونكہ اللہ كا فرمان ہے: " حتى كہ وہ آپ كو اپنا فيصلہ كرنے والا مان ليں "

اس لیے جس نے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو اپنا فیصل مانا تو وہ مومن نہیں، یا تو وہ کافر ہے ملت اسلامیہ سے خارج کافر، یا پھر وہ کافر ہے لیکن یہ کفر دون کفر ہے.

دوسرا:

اس فیصلہ پر شرح صدر ہو یعنی شرح صدر سے فیصلہ تسلیم کرے، وہ اس طرح کہ اپنے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر کوئی تنگی و حرج محسوس نہ کریں، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ اسے خوشی و دل سے تسلیم کریں.

تیسرا:

وہ اسے مکمل اور پوری طرح تسلیم کریں، اور اس کی مصدر سے تاکید کی گئی ہے کہ مکمل اور پوری طرح تسلیم کریں.

اس لیے میرے مسلمان بھائی آپ اس سے بچیں کہ کہیں آپ سے ایمان کی نفی نہ ہو جائے " انتہی

دیکھیں: شرح الواسطیۃ ابن عثیمین (181 ـ 182).

سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بہن میں بہت خیر و بھلائی ہے اور پردہ کا التزام کرنا اس خیر کی علامت ہے، اس بہن پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ایسے افراد سے رجوع کرے جو اسے طلاق دینے والے خاوند کے درمیان شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کرے.

ایسے ممالك میں جہاں غیر شرعی قوانین ہیں اور شرعی عدالتیں نہیں وہاں اس پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے اس کے متعلق ہم سوال نمبر (4044) کے جواب میں پوری تفصیل بیان کر چکے ہیں، اس لیے آپ اس کا مطالعہ کریں اس میں ان شاء اللہ کفایت ہے.

رہا سوال میں وارد شدہ مسائل کے متعلق جواب تو ہم گزارش کرتے ہیں:

اول:

خاوند کی جانب سے طلاق کے الفاظ بولنے کی بنا پر طلاق واقع ہو جای ہے، اور اس کے لیے کسی شرعی حکم کی

ضرورت نہیں، چہ جائیکہ غیر شرعی قوانین کا سہارا لیا جائے جسے اللہ نے نازل نہیں کیا.

دوم:

کسی بھی شخص کو اللہ کی جانب سے اس کے لیے مباح کردہ چیز سے روکنے کے لیے غیر شرعی قوانین کا سہارا لینا جائز نہیں، بلکہ ایسا کرنا ظلم و زیادتی ہے اس لیے اس بہن کو اللہ کا ڈر اور تقوی اختیار کرنا چاہیے، اور اسے علم ہونا چاہیے کہ ظلم روز قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے.

سوم:

طلاق شدہ عورت کی عدت ختم ہونے کے بعد اسے کوئی نفقہ و اخراجات نہیں اور نہ ہی رہائش ہے.

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" نفقہ اور رہائش تو اس عورت کے لیے واجب ہے جو رجعی طلاق والی ہو جب تك اس سے رجوع کرنا ممکن ہے " انتہی

دیکھیں: المغنی (7 / 145).

چہارم:

جب یہ علم ہو چکا کہ اس عورت کو نہ تو نفقہ ملےگا اور نہ ہی رہائش تو پھر غیر شرعی قانون کی بنا پر جو کچھ وہ اس شخص سے لے رہی ہے اور وہ شخص اسے دینے پر راضی نہیں تو یہ حرام ہے.

کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

اے ایمان والو تم آپس میں ایك دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ، الا یہ کہ وہ آپس میں رضامندی کے ساتھ تجارت ہو النساء (29).

اور اس لیے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" ہر مسلمان شخص کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون بھی حرام ہے اور اس کا مال بھی اور اس کی عزت بھی حرام

ہے "

اسے امام مسلم نے روايت كيا ہے.

اس ليے اس عورت كو چاہيے كہ اس نے جو كچھ ليا ہے وہ اسے واپس كر دے، يا پھر اس سے معاف كروائے.

پنجم:

سات برس كى عمر سے قبل بچى كى پرورش كا حق ماں كو ہے، ليكن شرط يہ ہے كہ جب ماں مسلمان ہو، اور امانتدار ہو اور جب تك وہ كسى دوسرے شخص سے شادى نہ كر لے.

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ كہتے ہيں:

" جب دونوں خاوند اور بيوى عليحدہ ہو جائيں اور ان كى اولاد بھى ہو يا پھر معذور بچہ ہو تو اس كى كفالت كے ليے ماں زيادہ حقدار ہے جب اس ماہ ميں شرائط پورى پائى جائيں، چاہے بچہ ہو يا بچى، يحي انصارى اور امام زھرى، ثورى، مالك، شافعى، ابو ثور، اسحاق، اور اصحاب الرائے كا يہى قول ہے، اس ميں ہميں كسى اختلاف كا علم نہيں " انتہى

ديكھيں: المغنى (8 / 190).

ششم:

اگر بچى ماں كى پرورش ميں ہے تو بچى كا نفقہ و اخراجات شرعى طور پر اس كے والد كے ذمہ ہے، اس كى دليل صحيح بخارى اور صحيح مسلم كى درج ذيل حديث ہے:

عائشہ رضى اللہ تعالى عنہا بيان كرتى ہيں كہ ھند بن عتبہ رضى اللہ تعالى عنہا نے عرض كيا:

اے اللہ تعالى كے رسول صلى اللہ عليہ وسلم ابو سفيان ايك كنجوس اور بخيل شخص ہے وہ مجھے اتنا مال نہيں ديتا جو ميرے اور ميرى اولاد كے ليے كافى ہو جائے، ليكن وہى ميں جو ميں اس كے علم كے بغير مال لے ليتى ہوں.

تو رسول كريم صلى اللہ عليہ وسلم نے فرمايا:

" تم اچھے طریقہ سے اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو "

اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ واجب ہے، اور اس نفقہ کا اندازہ کفائت کے مطابق ہو گا، عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کافی اخراجات سے زائد لے.

واللہ اعلم .